

## اندرونی دفاعی نظام

<"xml encoding="UTF-8?>

”اس پڑول پمپ پر پڑول کی بو کتنی زیادہ ہے؟؟“ فراز نے گاڑی کو پمپ کے سامنے روکتے ہوئے کہا۔ اور پھر چابی اس لڑکے کو دے دی جو گاڑی کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھا تھا۔

”مجھے تو یہ خوشبو لگتی ہے۔“ ساتھ بیٹھی نکہت فراز نے اسکارف ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ ”بہت پسند ہے مجھے۔۔“ اس نے اپنا جملہ مکمل کیا۔

”ہاں صحیح ہے! اگر مجھے الرجی نہ ہوتی تو شاید میری رائے بھی یہی ہوتی۔ ارٹ۔۔!“ فراز نے کسی چیز پر تعجب کرتے ہوئے کہا اور اپنی بات ادھوری چھوڑ کر گاڑی سے اٹر گیا۔ وہ اپنی گاڑی کے پیچھے کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف جاریا تھا۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص سے کچھ کہا اور مسکراتا ہوا واپس آگیا۔

نکہت نے جو کچھ نہ سمجھ پائی تھی اور تجسس کے مارٹ بے چین ہو رہی تھی، اس کے بیٹھتے ہی سوال کیا:

”کیا ہوا تھا؟“

فراز نے مسکراتے ہوئے کچھ سوچنے کے انداز میں کہا: ”کتنا اچھا لگتا ہے نا کوئی اچھا کام کر کے! خاص طور پر اگر کسی اور کے لئے ہو تو۔۔“ پھر اس نے ایک گھرا سانس لیا جیسے کسی چیز پر اسے بے انتہا سکون کا احساس ہوا ہو۔

”اب آپ بتائیں گے بھی کہ یہ اتفاقی نیکی آپ نے کونسی کر ڈالی ہے؟“ نکہت تھوڑا ناراض ہوتے ہوئے بولی۔ اور فراز نے فیصلہ کیا کہ اسے مزید تنگ نہ کیا جائے۔

”بھئی کچھ نہیں! وہ میں نے دیکھا کہ وہ صاحب اپنی سگریٹ جلانا چاہتے تھے۔۔“ اس نے پچھلی گاڑی کے ڈرائیور کی جانب اشارہ کیا۔

”تو پھر۔۔“ نکہت نے بات کاٹی۔

”تو پھر۔۔؟“ فراز نے اس کے سوال پر تعجب کا اظہار کیا۔ ”یعنی نکہت تم بھی۔۔؟“

”میں بھی کیا۔۔“ نکہت فراز کے لہجے سے الجھ گئی تھی۔

”یعنی تم اس خطرے کو نہیں سمجھتی۔ بھئی پڑول پمپ میں کبھی بھی آگ کا استعمال کسی بھی چیز کے لئے مناسب نہیں۔ بہت خطرناک ہوتا ہے۔۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔۔ ان کی جان کو بھی خطرہ تھا اور دوسروں کو بھی خطرے میں ڈال سکتے تھے۔۔“ فراز نے تفصیل بتائی۔

”تو آپ کو کیا بے چینی تھی؟ جلانے دیتے، پمپ والے خود بتا دیتے یا وہ خود سمجھ جاتے۔۔“ اسی دوران فراز نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے سڑک پر لے آیا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ایک شخص کو غلطی کرتے دیکھتا رہوں اور منع بھی نہ کروں۔ بس بیٹھ کر انتظار کروں کہ کوئی اور یہ کام کر لے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اس کام سے دانستہ یا نادانستہ طور پر دوسروں کو بھی نقصان پہنچا دے۔“ فراز کی بات سُن کر نکہت خاموش ہو گئی اور آخر فراز کی نیکی کو سراہا اور اس کی بات کی تائید کی۔

وہ خصوصیات جو انسان کو دوسری تمام مخلوقات پر فوقیت اور برتری عطا کرتی ہیں، یا یوں کہیں کہ جو

انسان کو انسان بناتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر اس کے سامنے کوئی انسان ایسا کام انجام دے کہ جو نقصان دہ ہو، تو وہ فطری طور پر ایک ذمہ داری کا احساس کرتا ہے۔ اُس کا دل اُس سے کہتا ہے کہ غلطی کرنے والے کو روکے اور اُسے اجازت نہ دے کہ کسی کے نقصان کا باعث بنے، حتیٰ کہ اگر نقصان فقط اسی فاعل تک ہی محدود کیوں نہ ہو۔

ہماری روز مرہ کی زندگی میں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں معاشرہ یا گھر میں موجود افراد ایک دوسرے کو مختلف نقصانات میں مبتلا ہونے یا دوسروں کے نقصان کا باعث بننے سے روکتے رہتے ہیں یا اُن فوائد کو حاصل کرنے کی طرف رینمائی کرتے ہیں جن کی طرف اُن کے چاہنے والوں کی توجہ نہیں ہوتی۔ اگر کسی زمانہ یا معاشرہ میں انسانوں کے اندر یہ احساس مر جائے، یا موجود ہونے کے باوجود نظرانداز کر دیا جائے، تو پھر اس معاشرہ کے نظم و ضبط یا ترقی کے امکانات بہت کم ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ بات ممکن نہیں کہ معاشرہ میں قوانین کو جاری کرنے کے لئے ہر وقت، ہر جگہ حکومت یا دوسرے اداروں کی طرف سے کوئی نہ کوئی موجود ہو۔ لہذا اگر معاشرہ میں موجود تمام افراد اس ذمہ داری کو محسوس کر کے اس کو عملی جامہ پہنائیں، تو شاید غافل اور گمراہ لوگوں کی تعداد بہت کم ہو جائے۔

شریعت نے بھی، انسانی معاشروں کو بے راہ روی اور گمراہی سے بچانے اور مسلمانوں کو دشمن کے مضر حملوں کے خلاف دفاع کرنے پر اکسانے کے لیے، کچھ فرائض قرار دئیے ہیں جن کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو اپنے اپنے مقام پر اسلامی معاشرہ کے بچاؤ اور اس کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ یعنی اپنی انفرادی ذمہ داریوں پر عمل کے ساتھ ساتھ، معاشرہ کی صورت حال کے لیے بھی ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ مثلاً بیرونی خطرات اور حملوں کا دفاع کرنے کے لئے سب کو جہاد کے لئے تیار کیا اور معاشرہ کی اندرونی کج روی اور پسمندگی سے مقابلہ کے لئے دو کاموں کو واجب قرار دیا یعنی امر بہ معروف (دوسروں کو نیکی اور اچھائی کا حکم دینا) اور نہیں از منکر (دوسروں کو برائی سے روکنا)۔

جیسا کہ ابتدائی میں ذکر ہوا، معاشرہ میں قوانین پر عمل کو یقینی بنانے کی ایک بہت مناسب راہ ذمہ داری کی ادائیگی ہے۔ جبکہ انسانوں کے بنائے ہوئے اکثر قوانین کا بُدف انسانوں کی ظاہری اور دنیاوی زندگی کو منظم کرنا اور مفید و پُرسکون بنانا ہے۔ اس کے باوجود ان پر عمل درآمد، سب کی طرف سے شرکت کا محتاج ہے۔ جبکہ دینی قوانین اور اس کے رینما اصول قوانین بشری سے کہیں زیادہ حسّاس ہیں کیونکہ یہ انسان کی دنیا کو بھی مدنظر رکھتے ہیں اور آخرت کو بھی، اس کی جسمانی ضروریات کا بھی خیال رکھتے ہیں اور روحانی ضرورتوں کا بھی۔ پس کس طرح یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ دینی قوانین دوسرے مسلمانوں کی مدد کے بغیر، ہماری زندگیوں اور پورے معاشرہ میں جاری و ساری ہو جائیں گے؟ اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ ان پر پوری طرح عمل ہو رہا ہو، پھر بھی غفلت، خطا اور شیطانی وسوسوں کے شکار ہونے کا خطرہ تو ہمیشہ موجود ہے ہی۔ ایسی صورتحال میں دین کا یہ نظام کتنا خوب صورت ہے کہ ایک مسلمان اپنے برادر دینی کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اس کی غلطی کی طرف متوجہ کر دے تاکہ وہ موت سے پہلے اپنی اصلاح کر سکے اور اللہ کے دین اور اُس کا قانون بھی پامال نہ ہو۔

اگرچہ دینی واجبات کی فہرست میں یہ دو واجب، نماز، روزہ، حج وغیرہ جیسے مشہور واجبات کے بعد آتے ہیں لیکن اہمیت میں یقیناً دوسروں سے کم نہیں ہیں۔ بلکہ بعض ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن سے محسوس ہوتا ہے گویا اُن سے اہمیت میں کہیں زیادہ ہیں۔ اس تحریر میں، دینِ اسلام کی بنیادی کتابوں میں ان دو واجبات کی قدر و منزلت سے متعلق آئے والی چند مثالوں کو نمونہ کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، کیونکہ واضح ہے کہ

تمام پہلووں پر روشنی ڈالنا نہ ہماری قدرت میں ہے اور نہ ہی اس کامقاوم کا تقاضا۔

### قرآن و سنت کی بارگاہ میں

#### ۱. عمر کے یقینی نقصان سے نجات:

ارشادباری تعالیٰ ہے:

”قسم ہے عصر کی بے شک انسان خسارہ میں ہے۔ علاوه ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انعام دینے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت اور نصیحت کی۔“ (سورہ عصر)  
اس سورہ میں اُن لوگوں کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے جو اپنی زندگی (یعنی سرمایہ) سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسے ضایع نہیں کرتے اور نقصان سے بچ جاتے ہیں۔

علامہ طبرسی ۲ تفسیر مجمع البیان میں فرماتے ہیں:

”ایک دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت کرنے کے واجب ہونے میں اشارہ ہے امر بالمعروف اور نہیں از منکر، توحید و عدل اور واجبات کی ادائیگی، اور برائیوں سے دوری کی دعوت کی طرف...“ (مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۴۳۶)

علامہ طباطبائی ۲ فرماتے ہیں کہ

”حق کی وصیت کرنا خود نیک اعمال میں شامل ہے۔ پس اس کا نیک اعمال کے بعد ذکر کرنا، اس طرح ہے جس طرح ایک خاص چیز کا ذکر ایک عام (حکم) کے بعد کیا جائے، اس کی اہمیت کی وجہ سے...“ (المیزان ج ۲۰، ص ۳۵۵)

یعنی اگرچہ اچھے اعمال (اعمال صالح) میں حق کی وصیت اور نصیحت بھی شامل ہے، لیکن اگلی آیت میں اس کا الگ سے ذکر اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اور حق کی وصیت کا دامن بھی بہت وسیع ہے، اس میں امر بالمعروف اور نہیں از منکر بھی شامل ہیں۔ لہذا سورہ عصر قرآن کی نظر میں ان دو واجبات کی اہمیت کی عکاسی کرتا ہے، کہ ان کی ادائیگی سے انسان اپنے سب سے قیمتی سرمایہ کو ضایع کرنے سے بچ جانے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔

#### ۲. نبی اکرمؐ کو بھی حکم ہوا:

سورہ اعراف آیت نمبر ۱۹۹ میں ارشاد ہوتا ہے۔

**خُذُ الْعَفْوَ وَ أَمْرُ بِالْعُرْفِ وَ أَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ**

آپ عفو کا راستہ اختیار کریں، نیکی کا حکم دیں اور جاہلیوں سے کنارہ کشی کریں۔ واضح ہے کہ اس آیت میں خود نبی اکرمؐ کو حکم ہوتا ہے کہ امر بمعروف بجا لائیں۔ ”عُرْف“ وہ چیز ہے جو عاقلوں کے درمیان اور سمجھدار معاشرہ میں اچھی اور شائستہ رسموں اور عادتوں کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔۔ اس کامطلب یہ ہے کہ تمام معروفوں کا حکم کیا جائے۔ (المیزان، ج ۸، ص ۳۸۰)

#### ۳. اس فرض کوچھوڑنے والوں کی مذمت:

سورہ اعراف میں آیت ۱۶۳ سے ۱۶۶ میں ارشاد ہوتا ہے:

”اور ان سے اس قریبہ کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے تھا اور جس کے باشندے ہفتہ کے دن کے بارے میں زیادتی سے کام لیتے تھے، کہ ان کی مچھلیاں ہفتہ کے دن سطح آب تک آجاتی تھیں اور دوسرے دنوں میں

نہیں آتی تھیں تو انہوں نے حیله گری کرنا شروع کر دی۔ ہم اس طرح ان کا امتحان لیتے تھے، کہ یہ لوگ فسق اور نافرمانی سے کام لے رہے تھے۔ اور جب ان کی ایک جماعت نے مصلحین سے کہا تم کیوں ایسی قوم کو نصیحت کرتے ہو جسے اللہ ہلاک کرنے والا ہے، یا اس پر شدید عذاب کرنے والا ہے، تو انہوں نے کہا کہ ہم پروردگار کی بارگاہ میں عذر چاہتے ہیں اور شاید یہ لوگ متقی بن بی جائیں۔ اس کے بعد جب انہوں نے یادداہی کو فراموش کر دیا تو ہم نے برائیوں سے روکنے والوں کو بچا لیا اور ظالموں کو ان کے فسق اور بدکدراری کی بنا پر سخت ترین عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ پھر جب دوبارہ ممانعت کے باوجود سرکشی کی تو ہم نے حکم دے دیا کہ اب ڈلت کے ساتھ بندر بن جاو۔“

ان آیات مبارکہ میں بنی اسرائیل کے ظلم اور نافرمانی خدا کا ایک اور نمونہ سامنے آتا ہے۔ خدا نے ان میں سے ایک گروہ کو، ان کے فسق و فجور کی وجہ سے، ایک امتحان میں مبتلا کیا تھا۔ اُن لوگوں کو ہفتہ والے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے روکا گیا تھا، جس دن مچھلیاں پانی کی سطح پر آتیں۔ لیکن بعض نے اس حکم کی پیروی نہ کی۔ مفسرین کے قول کے مطابق وہ لوگ تین گروپوں میں بٹے ہوئے تھے؛ ایک گروہ ان فاسقوں کا تھا جنہوں نے خدا کے فرمان سے منہ موڑا۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو خدا کے احکام کی پیروی کرتے اور فاسقوں کو خدا کے فرمان کو ترک کرنے سے منع بھی کرتے۔ اور تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا، جو اگرچہ خدا کے احکام کی پیروی کرتے لیکن، گناہ گاروں کو ان کے گناہوں سے روکتے نہ تھے، بلکہ اس کے برخلاف اُس دوسرے گروہ کو اُن کی نہیں سے روکتے تھے (جیسا کہ ترجمہ میں ملاحظہ فرمایا) (تفسیر المیزان، ج ۸، ص ۲۹۴)

خداوند ارشاد فرماتا ہے: ”انجینا الّذين ينهون عن السُّوئٰ“ یعنی ”ہم نے برائیوں سے روکنے والوں کو بچالیا۔“ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ نجات پانے والا گروہ یہی گروہ تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے دونوں گروہ (یعنی فاسقوں کا گروہ اور وہ اطاعت گذار جو نہیں از منکر کو ترک کرتے تھے) عذاب خدا میں گرفتار ہوئے۔ (تفسیرالمیزان)

اور اُس جواب سے جو نہیں از منکر کرنے والوں نے تیسرا گروہ کے سوال، یعنی ”تم کیوں ایسی قوم کو نصیحت کرتے ہو“ کے مقابلہ میں دیا، یہ بات بھی سمجھ میا آتی ہے کہ نہیں از منکر گذشتہ اُمتوں میں بھی ایک فرض اور واجب تھا اور ضروری تھا کہ لوگ اس ذمہ داری سے ”بری الذمہ“ ہوتے۔ اور یہ بات بھی ہم ان آیات مبارکہ سے حاصل کر سکتے ہیں کہ اگر ظلم سے منع کیا جاسکتا ہو، اور اس کا اثر بھی ہوتا ہو، لیکن اس کے باوجود منع نہ کریں اور ترک کر دیں (اس نہیں از منکر کو) تو اس طرح سے ہے گویا اس کے ظلم میں شریک ہوئے اور جس طرح خدا کا عذاب ظالم کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے، اس کے ساتھ شریک ہونے والوں کو بھی نہیں چھوڑتا۔ (تفسیر المیزان)

#### ۴. دوسرے فرائض کے مقابلہ میں، ان کا مقام:

محصومین کی روایات میں شریعت مقدسہ کے اس واجب کے بارے میں ایسے جملے اور صفات ملتی ہیں جن سے دین اسلام کی نظر میں، باقی اعمال کے مقابلہ میں، اس کامقام اور اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین علیؑ نے فرمایا:

”وَ مَا اعْمَالُ الْبَرِّ كَلَّهَا وَ الْجَهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عِنْدَ الْاِمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَ النَّهَا عَنِ الْمُنْكَرِ اَلَا كَتْفَتَهُ فِي بَحْرِ لَجْنٍ“ (نهج البلاغة، حکمت ۳۷۴)

”تمام نیک اعمال یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جہاد، امرہ معرفہ اور نہیں از منکر کے مقابلہ میں لعاب دھن (اور ایک قطرہ) کی طرح ہیں جو ایک متلاطم اور موجیں مارتے ہوئے سمندر میں ہو۔“

امام علیؑ کے قول میں یہ تشبیہ، امرہ معرفہ اور نہیں از منکر کی کس قدر عظیم تصویر پیش کرتی ہے!! ایک

طرف تمام اعمال نیک ہیں، یہاں تک کہ جہاد بھی کہ جس کا ذکر نام لے کر کیا گیا، اور دوسری طرف یہ عظیم واجب۔ گویا وہ فقط قطرے ہیں اور یہ سمندر! شاید مُراد ہے کہ جس طرح دریا میں موجود مخلوقات، پانی کی وجہ سے زندہ رہتی ہیں، اسی طرح اگر امری معروف اور نہیں از منکر کسی اسلامی معاشرہ میں ہو تو، دوسرے تمام اعمال صالحہ بھی موجود ہوں گے، اور اگر یہ نہ ہوں تو تمام دوسرے اعمال بھی باقی نہیں رہ سکتے۔

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ فرمایا:

”آخری زمانہ میں لوگوں کا ایک گروہ ریاکار ہوگا۔“ (یہاں تک کہ فرمایا) ”اگر (ان کے خیال میں) نماز اُن کے مالی اور جسمی کاموں کے لیے مضر ہو، تو اُسے چھوڑ دیں گے، جس طرح سب سے نمایاں اور سب سے بافضلیت واجب (امر بہ معروف اور نہیں از منکر) کو چھوڑ دیں گے۔“ (وسائل الشیعہ، ج ۱۶)

۵. ان کا ترک کرنا خیانت ہے:

عبدالرحمن بن حجاج کہتا ہے کہ میں نے سنا کہ امام صادقؑ نے فرمایا:

”جو کوئی بھی اپنے براذر دینی کو ایک بُرا کام کرتے دیکھے، اور اُسے اُس کام سے نہ روکے، جبکہ اس کی (یعنی روکنے کی) قدرت رکھتا ہو، تو یقیناً اس نے اُس کے ساتھ خیانت کی ہے۔“ (امالی صدقہ، ص ۲۶۹)

### دینی رپربوون اور صالح مومنین کی عملی سیرت

قرآن و سنت کی تاکید کے ساتھ ساتھ، امر بہ معروف اور نہیں از منکر کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ایک بہت ہی مفید سرچشمہ انبیاءؐ، ائمہؐ، اولیائے اور ان کے سچے پیروکاروں کی عملی سیرت کا مطالعہ ہے، کہ کس کس طرح انہوں نے اس فریضہ کو اور اس کے ذریعہ دین حق کو زندہ رکھنے کے لیے، زحمتیں اُٹھائیں۔ جب انسان قرآن و سنت کی لفظی ہدایات اور رہنمائی کے ساتھ ساتھ، اُن عظیم شخصیتوں کے عملی کردار میں اس فریضہ کی چمک اور روشنی کو دیکھتا ہے، تو اس راستہ کی طرف ایک نئے عزم کے ساتھ قدم اُٹھانے کو جی چاہتا ہے۔ مومن اپنے آپ سے کہتا ہے کہ جب یہ پاک لوگ جو تمام انسانی فضیلتوں کا خلاصہ تھے، جو اس پورے عالم کے نظام کا پہل اور ثمر تھے، جب ان لوگوں نے شریعت کے اس واجب کو زندہ کرنے کے لیے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، تو میں اور مجھے جیسے۔؟

یوں تو ان عظمتوں کی مثالیں بہت زیادہ ہیں، لیکن ان سب میں جو ستارہ اپنی نمایاں اور منفرد چمک کے ساتھ، آنکھوں کو خیرہ اور دل کو اپنی طرف جذب کرتا ہے، وہ سید الشہدائی امام حسینؑ کی سیرت ہے۔ گو انقلاب حسینی کی مختلف زاویوں اور ابداف کے تحت تفسیر ممکن ہے، لیکن خود امام حسینؑ کے اقوال کی روشنی میں، ان کی تحریک کے ابداف میں سے ایک کو امر بمعروف اور نہیں از منکر روشناس کرا گیا ہے۔ مثلاً امامؑ اپنے جد رسول خداؐ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے ہیں تو فرماتے ہیں:

”خداوند! یہ تیرے نبی محمدؐ کی قبر ہے، اور میں تیرے نبیؐ کا نواسہ ہوں، اور میرے لیے ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس سے تو واقف ہے۔ پورا دگارا! میں معروف کو پسند کرتا ہوں اور منکر سے نفرت کرتا ہوں۔“ (مقتل خوارزمی ص ۱۸۶)

اپنے بھائی جناب محمد بن حنفیہ سے وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”...میں خود خواہی (اور شہرت) یا تفریح (اور نفسانی خواہشات کی پیروی) کے لیے (مدینہ سے) خارج نہیں ہو رہا۔ اور نہ ہی فساد (اور تباہی) کو پھیلانے اور ظلم و ستم کرنے کے لیے۔ میں فقط اپنے جدؐ کی امت کی اصلاح کے لیے نکل رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ امر بہ معروف اور نہیں از منکر بجا لاؤں اور اپنے جدؐ اور والد علیؑ ابن

ابیطالبؑ کی سیرت پر چلوں۔" (مقتل خوارزمی ص ۵۴)

آخر میں انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کے سچے پیروکاروں کی سیرت سے فقط ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ صحابی رسول حضرت ابوذر غفاریؑ نے پیغمبرؐ کی وفات کے بعد اسلامی معاشرہ میں پیش آنے والی برائیوں اور کج رفتاریاں ملاحظہ کیں تو خاموش نہ رہ سکے۔ تاریخ میں ملتا ہے کہ جب بھی آپؐ کو موقع ملتا، مسلمانوں کو ان کے غلط طرز زندگی سے آگاہ فرماتے اور انہیں نصیحت کرتے۔ وہ کمزور اور ظلم اُٹھانے والے لوگوں سے فرماتے:

".. ظالم حاکموں کی خوشنودی کی خاطر، خدا کے غصب کو مت خریدو۔ اگر وہ خدا کو ناراض کرتے ہیں تو ان سے دور ہو جاو، اور ان کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ (خدا کی طرف توجہ کرو کیونکہ) خدا ہر شے سے بڑا اور بالآخر ہے۔"

انہوں نے حاکم وقت سے بھی فرمایا :

"تم نے مجھ میں کوئی عیب اور نقص نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ میں امر بہ معروف اور نہی از منکر کرتا ہوں۔"

آخرکار حضرت ابوذرؑ کو حکومت وقت نے جلاوطن کر کے "ربذہ" کے گرم ریگستان میں بھیج دیا جہاں تنہائی اور عالم غربت میں اُن کا انتقال ہوا۔ (امر بہ معروف اور نہی از منکر، آیت اللہ نوری ہمدانی، الغدیر، ج ۸ سے نقل فرماتے ہیں)

یہاں اس فرض شناس صحابی کی شان میں وہ کلمات نقل کرتے ہیں جو امیر المؤمنین علیؑ نے ان کے لیے فرمائے:

"اے ابوذر! تم نے خدا کے لیے غصب کیا، پس اُسی سے امید رکھو جس کے لئے غصب کیا تھا۔ یہ لوگ اپنی دنیا کے لیے تم سے ڈرے، لیکن تم اپنے دین کے لیے ان سے ڈرتے ہو۔ پس اس چیز کو جس کے لیے وہ خوفزدہ ہیں، انہی کے پاس چھوڑ دو، اور جس کے بارے میں یہ خوف رکھتے ہو کہ وہ لوگ اس میں مبتلا ہو جائیں گے (سزاۓ الہی)، اس سے فرار کرو (یا اس چیز کو محفوظ رکھنے کے لیے جس کے بارے میں خوفزدہ ہو (یعنی دین)، اُن سے دور بھاگو)۔

کتنے محتاج ہیں وہ لوگ اس چیز کے جس سے اُنہیں منع کرتے تھے، اور کتنے بے نیاز ہو تم اس چیز سے جس سے وہ لوگ تم کو منع کرتے تھے (یعنی دنیا)! اور جلد ہی جان جاوے گے کہ کل کون فائدہ حاصل کرے گا اور کس سے زیادہ حسد کیا جائے گا اور اگر آسمانوں اور زمینوں کے دروازے ایک بندہ پر بند ہو جائیں، لیکن وہ خدا سے ڈرے (اس کا تقوی اختیار کرے) تو خدا اُس کے لیے اُن سے نکلنے کا راستہ قرار دے گا۔ اپنے سکون کو فقط حق میں تلاش کرو، اور باطل کے علاوہ کوئی چیز تمہیں وحشت زدہ (پریشان) نہ کرے۔ اگر تم نے اُن کی دنیا کو قبول کر لیا ہوتا، تو وہ تمہیں پسند کرتے اور اگر تم اس میں سے ایک حصہ لے لیتے تو تمہیں تنگ نہ کرتے۔" (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۳۰)

معصومؑ کی زبان سے اس صحابی کی شخصیت کے خدوخال کے بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے باقی فرائض کے ساتھ ساتھ ان واجبات کو بھی ادا کیا، اس طرح کہ اُن کے امام وقتؑ نے بھی اس بات کی تائید فرمائی۔ یہ بات جس طرح حضرت ابوذرؑ کی فضیلت کو اجاگر کرتی ہے، امر بمعروف اور نہی از منکر کی بے انتہا اہمیت پر بھی اشارہ کرتی ہے۔